محمد بلال

حیات امین احسن

(۵)

ڈاکٹر منصور الحمید کے انٹرویو میں امین احسن نے جماعت سے وابستگی اور علیحدگی کے معاملے کے کچھ اور پہلوؤں کو بھی بیان کیا ہے۔ انٹرویو کے ان حصوں کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

''سوال: کیا مولانا مودودی صاحب کو دستور کے تحت یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ جائزہ کمیٹی کے ارکان سے استعفیٰ کا مطالبہ کر سکیں؟

جواب: مولانا مودودی صاحب نے استعفیٰ کا مطالبہ دستور کے تحت نہیں کیا تھا، بلکہ یہ ایک مطلق العنانہ حکم تھا۔ اور اس کی دلیل انھوں نے یہ دی تھی کہ چونکہ میں امیر جماعت ہوں اس لیے مجھ پر یہ عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں جماعت کو کسی سازش کا شکار ہونے سے بچاؤں۔ اور چونکہ یہ چاروں حضرات ایک نادانستہ سازش کے مرتکب ہوئے ہیں، لہٰذا میں ان کو حکم دیتا ہوں کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ یہ حکم وہ دستور کے تحت نہیں دے سکتے تھے۔ میں نے اسی پر احتجاج کیا تھا کہ یہ حکم دستور ہی کے نہیں، عدل وانصاف کے بھی خلاف ہے۔ ان کے بعض سادہ لوح معتقدین یہ کہنے لگے کہ اگر امیر جماعت کسی سے مستعفی ہونے کے لیے کہیں تو مستعفی ہو جانا چاہیے۔ میں نے کہا اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ آپ نے سازش کی ہے اس لیے مستعفی ہو جائیں تب تو یہ ایک جرم بنتا ہے۔ پہلے جرم ثابت کرنا چاہیے پھر یہ حکم دینا چاہیے۔ اصل میں شخصی آمریتوں کے دور میں جس طرح دستور بھی موجود ہوتا ہے اور ایک بالاتر قانون بھی چل رہا ہوتا ہے جو آمریت کے ہر فعل کو قانونی جواز فراہم کرتا ہے اسی طرح یہ قدم بھی دستور کے تحت نہیں، بلکہ اسی بالاتر قانون کے تحت اٹھایا گیا تھا جسے دنیا کے

ہر آمر اور ڈکٹیٹر نے اپنے مفاد کے لیے وضع کر رکھا ہے۔

سوال: ماچھی گوٹھ کے اجتماع ارکان میں کیا پالیسی طے ہوئی تھی؟

جواب: دراصل مولانا مودودی صاحب نے اپنا استعفیٰ اس شرط پر واپس لیا تھا کہ وہ اس کو اجتماع ارکان میں رکھیں گے۔ اس استعفیٰ کی وجہ سے ارکان پر شدید دباؤ تھا اور ان کی اکثریت کے ذہن مفلوج تھے۔ اسی صورت حال میں مولانا مودودی صاحب جماعت کی پالیسی کے بارے میں ایک قرار داد استصواب کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے۔ اجتماع عام سے پہلے شوریٰ کے اجلاس میں جب یہ قرار داد میرے سامنے آئی تو میں نے اس پر شدید تنقید کی جس پر شوریٰ کے اجلاس میں تعطل پیدا ہو گیا۔ بالآخر چوبیس گھنٹوں کے بعد مولانا باقر خان صاحب میرے پاس قرار داد لے کر آئے اور کہا کہ امیر جماعت فرماتے ہیں کہ اگر تم اس میں کوئی لفظی ترمیم کرنا چاہتے ہو تو کر دو۔ اگرچہ کسی لفظی ترمیم سے میرا مدعا حاصل نہیں ہوتا تھا، تاہم محض اس خیال سے کہ جماعت میں انتشار نہ پیدا ہو، میں نے اس قرار داد میں ذرا سی لفظی ترمیم کر کے اسے جماعت کے اصل مقصد کے قریب تر لانے کی کوشش کی اور بعد میں یہ کثرت رائے سے منظور ہو گئی۔ اس قرار داد کے چار جزو تھے اور فیصلہ کیا گیا تھا کہ جماعتی سرگرمیوں کے ان چاروں اجزا میں توازن رکھا جائے گا۔ اس قرار داد کا بنیادی فلسفہ بھی یہی تھا کہ اصلاح معاشرہ ہی ملک میں صحیح سیاسی تبدیلی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب نے اس قرار داد پر وفاداری سے عمل نہیں کیا اور ان کی روش یہی رہی کہ جماعت کی تمام سرگرمیاں انتخابات کے لیے مخصوص رہیں۔

سوال: کیا مولانا مودودی صاحب سے اختلاف رکھنے والے حضرات جماعت کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے خلاف تھے؟

جواب: اختلاف رکھنے والے حضرات جماعت کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے خلاف نہیں تھے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جماعت کبھی بھی سیاست میں حصہ نہ لے، بلکہ ان کی خواہش یہ تھی، اور یہی شوریٰ نے طے کیا تھا، کہ فی الحال سیاسی سرگرمیاں معطل کر دی جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بات کی اس وقت کوئی گنجایش بھی نہیں تھی۔ جماعت کی طاقت اتنی نہیں تھی کہ وہ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے میدان میں اتر جائے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ فی الحال سیاسی سرگرمیوں کو کم کر کے، تعلیم، تربیت اور تنظیم کے کام کو آگے بڑھایا جائے تاکہ جماعت کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ یہ ملکی سیاست پر موثر طریقے سے اثرانداز ہو سکے۔ پھر اگر ممکن ہو تو سیاست میں براہ راست حصہ بھی لیا جائے۔ جماعت کے سیاست میں حصہ لینے پر کبھی بھی کسی کو اعتراض

نہیں رہا۔ یہ تو محض مجرم بنانے کے لیے کہا جانے لگا کہ یہ حضرات اس کو تبلیغی جماعت بنانا چاہتے تھے۔

سوال: جب آپ جماعت میں شامل ہوئے تو اس وقت جماعت کا نصب العین کیا تھا؟

جواب: اس وقت، واقعہ یہ ہے کہ ہم انبیا کے طریقے پر اقامت دین کرنے کے لیے ہی اٹھے تھے۔ اس وقت ہماری تحریروں میں، تقریروں میں، قول میں، عمل میں ہر چیز میں واضح طور پر بیان کیا جاتا تھا کہ ہمارا طریقہ اور ہمارا کام انبیا کے طریقے پر اقامت دین ہے۔ لیکن ملک تقسیم ہونے کے بعد مولانا مودودی صاحب میں بعض تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئیں اور مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ جو جتھہ بندی کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اب اس کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف ان کے اقدام اور ماچھی گوٹھ کے اجتماع ارکان کے بعد ہر چیز نمایاں ہو گئی کہ اب وہ خالصۃً سیاسی پارٹی کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے ہیں۔ انبیا کے طریقے پر اقامت دین کی بساط اب لپیٹ دی گئی ہے۔

سوال: کیا نصب العین میں انحراف کا اندازہ، جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے بعد ہوا تھا؟

جواب: جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے بعد وہ چیزیں جو نصب العین میں انحراف کا سبب بن سکتی تھیں اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ الیکشن نے یہ واضح کر دیا کہ ہم جو وعدے کرتے تھے وہ یونہی لن ترانیاں تھیں اس لیے کہ الیکشن میں وہ تمام ہتھکنڈے جو ناجائز سمجھے جاتے تھے استعمال کیے گئے۔ اس وجہ سے جماعت پر پہلی بار یہ انکشاف ہوا کہ ہمارے دعوے کیا تھے اور ہم نے عمل کے میدان میں کیا کیا ہے۔

سوال: جماعت میں ان رجحانات کی اصلاح کے لیے، جو بالآخر اسے اپنے نصب العین سے ہٹانے کا سبب بنے، آپ نے کیا کوششیں کیں؟

جواب: جماعت میں نصب العین سے انحراف کو روکنے کے لیے، واقعہ یہ ہے کہ میں سب سے موثر شخص تھا۔ چنانچہ جب بھی کوئی ایسی بات ہوئی جسے میں نے محسوس کیا کہ یہ امیر جماعت یا جماعت کے ارکان میں غلط رجحان پیدا کر سکتی ہے تو میں نے اس پر فوراً توجہ دلائی۔ قیام پاکستان سے پہلے ہی جب جماعت کی دینی دعوت کو ایک دنیوی تحریک کی صورت دی جانے لگی اور بے تکلفی سے یہ لکھا جانے لگا کہ اسلام ایک تحریک ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایک لیڈر ہیں، تو میں نے اس پر اعتراض کیا تھا اور مولانا مودودی صاحب سے کہا تھا کہ یہ اصطلاحات نہ صرف عام آدمی کے ذہن کو خراب کرنے والی ہیں، بلکہ دین کے وقار کو بھی بڑھانے کی بجائے گھٹانے کا باعث ہوں گی۔ کیونکہ تحریکیں تو دنیا میں بہت سی ہیں اور ان میں کئی شیطانی تحریکیں بھی ہیں، لیکن دین تو ایک ہی ہے۔ اسی طرح لیڈر تو نجانے کتنے لوگ ہوئے ہیں، لیکن خاتم الانبیاء تو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے یہ چیزیں دین کی دعوت کے بارے میں عام آدمی کے ذہن کو خراب کرنے کا باعث ہو سکتی ہیں۔ مولانا مودودی صاحب کہتے رہے کہ میرے اور تمھارے نقطۂ نظر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، لیکن وہ اور ان کے ہم خیال ساتھی اسی طرح لکھتے رہے۔ ان الفاظ کے کثرت استعمال سے چونکہ یہ اشتباہ پیدا ہوتا تھا کہ لوگوں کے ذہن دین کی دعوت کے بارے میں عام طرز کی دنیوی تحریکوں کی طرف منتقل نہ ہو جائیں اور وہ لائحۂ عمل کے لیے اسی نہج پر سوچنا نہ شروع کر دیں۔ اس لیے میں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس پر بہت توجہ دلائی کہ ہمارا اصل فرض اقامت دین اور شہادت حق کا ہے اور ہمیں اس چیز سے بے پروا ہو جانا چاہیے کہ ہماری جدوجہد کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ جماعت میں یہ اصطلاحات درحقیقت میرے توجہ دلانے ہی سے زیادہ فروغ پائی ہیں۔ اس زمانے میں میں نے خاص اسی لیے اپنی کتاب ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' لکھی۔ اس میں میں نے یہ واضح کیا کہ شہادت حق اور اقامت دین کی جو اصطلاحات قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ان کا مفہوم کیا ہے اور اس شہادت حق کی دعوت کے لیے قرآن مجید نے عام دنیوی تحریکوں سے ہٹ کر جو راہ متعین کی ہے وہ کیا ہے؟

اسی طرح جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ فلسفہ بنا لیا گیا ہے کہ تحریکیں اصول سے نہیں، بلکہ شخصیت سے چلتی ہیں اور جب تک شخصیت نہیں بنائی جائے گی تب تک یہ کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تب میں نے مولانا سے کہا کہ اول تو دین کے تحریک ہونے کے ہی مخالف ہوں، تاہم اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو شخصیت اپنے عمل سے آپ سے آپ پیدا ہوتی ہے، مصنوعی طریقے سے نہیں بنائی جاتی، اور اگر مصنوعی طریقے سے بنائی گئی تو لیڈروں والے وہ تمام لوازم اختیار کرنے پڑیں گے جنھیں عام دنیادار لیڈر اختیار کرتے ہیں اور جنھیں آپ حرام سمجھتے ہیں۔ یہ چیزیں جماعت کی دینی دعوت کے مزاج کے سخت خلاف ہیں اور یہ رجحان صحیح نہیں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مولانا مودودی صاحب نے یہ چیز نہیں مانی، بلکہ یہ قبول کر لیا کہ انھیں لیڈر ہی بننا ہے۔ چنانچہ لیڈروں والے وہ تمام لوازم اختیار کیے گئے جنھیں وہ خود حرام قرار دے چکے تھے۔ حرمت تصویر کا معاملہ اس کی ایک مثال ہے۔ انھوں نے تصویر کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اگرچہ میں اس کو ناجائز نہیں سمجھتا، لیکن انھوں نے فتویٰ دیا کہ تصویر کھنچوانا حرام ہے، لیکن لیڈر بننے کے لیے بلا جھجک تصویریں کھنچواتے رہے۔

اسی طرح جماعت کے کسی رسالے میں کوئی مضمون نکلتا جس میں قابل اعتراض بات ہوتی اور مجھے توجہ دلائی جاتی تو میں صاحب مضمون کو بلا کر تنبیہ کرتا۔ اگر باہر سے کوئی اطلاع آتی کہ فلاں رکن نے ایسی تقریر کی ہے اور ان خیالات کا اظہار کیا ہے تو میں ان سے بھی باز پرس کرتا۔ اصلاح کے لیے یہی کچھ تھا جو میں کر سکتا تھا۔

بلکہ میری مسلسل تنقید اور اصلاح کی ان کوششوں سے تنگ آ کر مولانا مودودی صاحب کے بعض معتقدین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں شاید رشک اور رقابت کی آگ میں جل رہا ہوں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے زندگی بھر کسی چھوٹی سے چھوٹی ذمہ داری لینے کا شوق بھی نہیں رہا۔ البتہ جو ذمہ داری مجھے سونپ دی جاتی ہے میں پورے احساس ذمہ داری سے اسے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

سوال: کیا ایسی چیزیں شوریٰ میں بھی زیر بحث آتی تھیں؟

جواب: جی ہاں، شوریٰ میں ان پر بحث ہوتی تھی لیکن شوریٰ کی ان چیزوں پر تنقید زیادہ موثر نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ایسے حضرات کی تحریریں یا تقریریں جب بھی زیر بحث آتیں وہ احتیاط کا وعدہ کر لیتے۔ جب شوریٰ ختم ہوتی تو وہی کچھ دوبارہ ہونے لگتا۔

سوال: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی اب اقامت دین کی تحریک نہیں رہی؟

جواب: اب تو ہر شخص یہ محسوس کر سکتا ہے کہ جماعت اقامت دین کی تحریک تو کجا، ایک عام طرز کی مذہبی جماعت بھی نہیں ہے۔ جس طرح سے نمائش اور پروپیگنڈے کے لیے مذہب کا نام استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح یہ جماعت بھی کرتی ہے۔ بلکہ میرے ایک فقرے پر جو میں نے اس زمانے میں مولانا مودودی کو لکھا تھا، بعض لوگوں کو اعتراض ہوا تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں نے صحیح کہا تھا کہ مولانا ہماری یہی حرکتیں ہیں جن کی وجہ سے لوگ ہمیں مذہبی بہروپئے اور سیاسی چغد سمجھتے ہیں۔ اس جماعت کا دین اور اخلاق جس درجہ برباد ہو چکا ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا لیجیے کہ اس کے قائد نے سالوں تک اخبارات میں اعلان کیا کہ وہ سیرت النبی لکھ رہا ہے اور اس کا امیر صفحات کی قید کے ساتھ اخبارات میں یہ بیان دیتا رہا کہ اتنے صفحات لکھے جا چکے ہیں، چنانچہ اس مقصد کے لیے روپیہ بھی جمع کر لیا گیا۔ لیکن ہوا یہ کہ چند لوگوں نے ان کی کتاب ''تفہیم القرآن'' سے سیرت مرتب کر کے ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے شائع کر دی۔ ظاہر ہے کسی اسلامی جماعت کا قائد ایسا نہیں کر سکتا، صرف کتاب فروش لوگ ہی ایسا کر سکتے ہیں۔

سوال: جماعت سے نکل جانے والوں پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے کوئی جماعت کیوں نہیں بنائی؟

جواب: یہ ایک احمقانہ خیال ہے کہ جماعت سے نکل جانے والوں کو ضرور ایک علیحدہ جماعت بنانی چاہیے تھی۔ جماعت بنا دینا اور اس کے نتیجہ میں ایک فتنہ اٹھا کھڑا کرنا کوئی سعادت دارین کمانا نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے اس تجربے سے تمام لوگوں کو بڑا تنبہ ہوا کہ جماعت کو صحیح مقصد کے لیے چلانا کس قدر

مشکل کام ہے۔ بڑے ہمہمہ اور بڑے نیک ارادوں کے ساتھ یہ کام شروع کیا گیا تھا۔ بڑی اچھی صلاحیتیں بھی جمع ہو گئی تھیں، لیکن مولانا مودودی صاحب نے جس طرح کھیل کو بگاڑا وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس تجربے کے بعد لوگوں کو اندازہ ہوا کہ ہم ایک شدید غلطی کر بیٹھے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انھوں نے اپنے لیے ایسے مفید کام نکال لیے جن سے پوری امت کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ میں خود یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے جماعت سے الگ ہونے کے بعد دین کی اور اس امت کی جو خدمت کی ہے وہ میں جماعت میں رہ کر نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی میری رائے یہ ہے کہ انھوں نے بہت سے تعلیمی، مذہبی اور علمی کام کیے ہیں جن سے پوری امت کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

جن لوگوں کو جماعتیں بنانے کا شوق تھا ان کا حال بھی آپ کے سامنے ہے۔ یہ لوگ جماعتیں بناتے ہیں نیک مقاصد کے لیے، لیکن پھر جلد ہی اس فتنے میں پڑ جاتے ہیں کہ وہ جو جتھا بندی کر چکے ہیں اس کی قیمت وصول کی جائے۔ ہمارے پیش نظر ایسا کوئی مقصد نہیں تھا، اس لیے ہم نے اس خطرے کو مول نہیں لینا چاہا۔ اپنی صلاحیتوں کی حد تک ہم نے پوری ملت کی خدمت کی ہے۔ پوری ملت ہماری جماعت ہے، ہم اس کے خادم ہیں۔

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کسی اسلامی طرز کی اجتماعیت سے وابستہ ہونا، واجبات دینی میں سے ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: یہ بات بالکل غلط ہے۔ پوری امت مسلمہ ہماری جماعت ہے اور اس جماعت کی خدمت کرنا ہمارے فرائض و واجبات میں سے ہے۔ آج تک اس ملت کے اندر جتنی جماعتیں بنی ہیں انھوں نے در حقیقت جسد ملت سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا ہے اور اپنی دکان جسے وہ اپنی جماعت کہتے ہیں بنالی ہے۔ پھر ملت سے بالکل بے پروا ہو کر اپنی اسی دکان کو چلانا چاہتے ہیں۔ مجھے جماعت اسلامی میں شامل ہونے کے بعد یہ احساس ہوا کہ جماعت بنانا اور پھر اس کے ذریعہ سے ملت کی خدمت کرنا نہایت مشکل کام ہے اور ہر ایک کا یہ ظرف بھی نہیں ہے۔ لوگ جماعتیں بناتے ہیں، پھر ملت کی خدمت کے بجائے اپنی جماعت ہی کی خدمت مد نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جماعتیں ملت کے لیے فائدہ مند ہونے کی بجائے اس کے لیے فتنہ بن جاتی ہیں۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ یہ کام فائدہ مند نہیں، بلکہ خطرناک اور مہلک ہے۔ کسی جماعت کے کڑے ڈسپلن میں جکڑ کر اس کے مخصوص اغراض کے لیے استعمال ہونے سے بہتر ہے کہ آپ پوری ملت کو پیش نظر رکھ کر اس کی خدمت کریں۔ اپنی صلاحیت کے مطابق جو بھی مذہبی، سیاسی یا تعلیمی کام کیا جا سکتا ہے، اسے کرنا چاہیے۔ یہی ہمارا دینی فرض ہے اور بس اتنا ہی ہم پر واجب ہے۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۵۵-۵۸، ۹۲)

یہاں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس ضمن میں جماعت اسلامی کا موقف پیش کیا جائے۔ میاں طفیل محمد صاحب خالد مسعود صاحب کی جماعت پر بعض تنقیدات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب ۷۔۱۹۵۶ء میں مجلس شوریٰ کی قائم کردہ جائزہ کمیٹی اور اس کی کارروائیوں سے پیدا شدہ صورت حال سے تنگ آ کر مولانا مودودی صاحب نے امارت جماعت سے استعفیٰ دے دیا تو آئندہ وہ صرف ایک عام رکن جماعت کی حیثیت سے ہی کام کریں گے اور اس معاملے کو سلجھانے کے لیے ماچھی گوٹھ میں جماعت کے ارکان کا کل پاکستان اجتماع عام منعقد ہوا اور اس میں بھی مولانا مودودی نے اپنے اس موقف پر اصرار کیا تو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اس قدر موثر اور زوردار تقریر کی اور اس میں مولانا مودودی صاحب کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا کہ ''آپ ہم لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے اب بھاگ کر کہاں جاتے ہیں۔ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے نہ بھاگنے دیں گے۔ اپنی یہ ذمہ داری آپ کو سنبھالنی پڑے گی'' تو اجتماع کی فضا ہی بدل گئی۔ نو سو پینتیس (۹۳۵) حاضر ارکان جماعت میں سے صرف پندرہ (۱۵) مولانا مودودی سے غیر مطمئن رہ گئے اور انھوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اور باقی نو سو بیس (۹۲۰) ارکان اور مولانا اصلاحی نے مولانا مودودی صاحب کو اپنا استعفیٰ واپس لینے پر مجبور کر دیا اور اس طرح جماعت کا یہ بحران ختم ہو گیا۔

ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے بعد مجلس شوریٰ نے جماعت کے دستور میں جو ترامیم کیں وہ مولانا امین اصلاحی سمیت ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں شریک نو سو بیس ارکان کی بالاتفاق تجویز کردہ ہیں اور جماعت کا یہ دستور اس وقت کا دستور ہے۔ اسے دیکھ کر آپ بتا دیجیے کہ اس میں امیر جماعت یا کسی دوسرے ذمہ دار جماعت کو آمرانہ اختیارات دینے والی دفعہ یا شق کون سی ہے۔ امیر، مجلس شوریٰ اور ہر عہدے دار کے فرائض و اختیارات اس میں واضح طور پر ثبت ہیں۔ امیر کو ارکان جماعت مجرد اکثریت سے منتخب کرتے ہیں۔ اس کے فرائض اور اختیارات دستور میں درج ہیں۔ امیر کو مجلس شوریٰ دو تہائی اکثریت سے معزول کر سکتی ہے۔ جماعت کی پالیسی اور سارے اہم فیصلے مجلس شوریٰ طے کرتی ہے۔ جماعت کی دعوت اس کے امیر کی طرف نہیں، اس کے نصب العین اور کلیتاً اقامت دین کی طرف ہے۔ جماعت میں داخلہ اور اس سے اخراج کی شرائط واضح طور پر دستور میں ثبت ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے جماعت اسلامی سے استعفیٰ ماچھی گوٹھ میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت سے اختلاف کرنے والے لوگوں سے اتفاق کرتے ہوئے نہیں دیا، بلکہ انھوں نے ان لوگوں کے

خلاف مولانا مودودی صاحب کا ساتھ دیا اور استعفیٰ انھوں نے ماچھی گوٹھ کے ایک سال بعد جنوری ۱۹۵۸ء میں جائزہ کمیٹی کے چار ارکان کے خلاف مولانا مودودی صاحب کے تادیبی ایکشن سے اختلاف کرتے ہوئے دیا تھا۔ جماعت کے کسی دوسرے رکن نے ان کے اس اقدام میں ان کا ساتھ نہیں دیا حتیٰ کہ ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی ان کی تائید نہیں کی۔ وہ اپنے آخری سانس تک جماعت کی رکن اور اس کی کارکن رہیں۔

رہی یہ بات کہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی ماچھی گوٹھ والی تقریر کو مرتب کر کے شائع نہیں کیا گیا تو اس بارے میں واضح ہو کہ ماچھی گوٹھ کی تقاریر ڈیڑھ دو گھنٹے سے چھ چھ سات سات گھنٹوں کی تھیں۔ اس زمانے میں نہ ٹیپ ریکارڈر تھے اور نہ ہمارے پاس کوئی شارٹ ہینڈ نویس تھا۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب کی تقریر جو ''جماعت اسلامی کا آئندہ لائحۂ عمل'' کے نام سے شائع شدہ موجودہ ہے، اس کے سوا کوئی اور تقریر شائع نہیں ہوئی۔ نہ جماعت کی طرف سے قلم بند کی جا سکی اور نہ شائع ہوئی۔ مولانا مودودی صاحب کی یہ تقریر ان کی اپنی مرتب کردہ ہے، کسی اور نے اسے مرتب نہیں کیا۔ اگر مولانا اصلاحی صاحب اپنی تقریر قلم بند فرما دیتے تو اسے بھی شائع کیا جا سکتا تھا۔

رہی مولانا اصلاحی صاحب سے آپ کی منسوب کردہ یہ بات کہ مولانا مودودی صاحب شوریٰ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے تو اس بات کی گواہی تو مجلس شوریٰ کا ہر رکن دے گا کہ مولانا مودودی صاحب کا تو یہ مستقل طریقہ تھا کہ وہ بعض اوقات کئی روز تک اس لیے بحث چلاتے کہ سب یا مجلس شوریٰ کی بڑی اکثریت ایک نقطۂ نظر پر متفق ہو جائے۔ مولانا مودودی صاحب ہمیشہ مجلس شوریٰ میں اتفاق رائے (Consensus) سے فیصلہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

آپ نے اپنے اس مضمون میں یہ بھی فرمایا کہ ''قیام پاکستان کے بعد مولانا مودودی صاحب کی سوچ میں بنیادی تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ کی ذمہ داری پاکستان بنانا تھا۔ اس کو چلانے کی اہلیت اس کے پاس نہیں ہے اور ایک اسلامی ریاست کو چلانے کے لیے مطلوبہ صفات کے حامل افراد جماعت اسلامی کے پاس ہیں۔ لہٰذا اب اقتدار جماعت کو ملنا چاہیے۔ پاکستان کے عوام دل و جان سے اسلام کے نفاذ کے خواہش مند ہیں۔ لہٰذا جماعت کے برسر اقتدار آنے میں اب کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ اسی لیے جماعت نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا، بلکہ جماعت کے لوگوں نے آپس میں وزارتیں تقسیم کرنے کے منصوبے بھی بنانے شروع کر دیے۔ محترم خالد مسعود صاحب! یہ سب باتیں سراسر القاء شیطانی ہیں۔

ایسی کوئی بات نہ کبھی مولانا مودودی صاحب کے دل و دماغ میں آئی اور نہ ان کے کسی ذی ہوش ساتھی کے دل و دماغ میں آئی۔ فروری، مارچ ۱۹۴۷ء میں جب انڈین نیشنل کانگرس کی متحدہ قومیت اور مسلم لیگ کی مسلم قومیت کے مابین ٹکراؤ کے نتیجے میں تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی صورت واضح ہو کر سامنے آگئی تو جماعت اسلامی نے ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو مغربی اور وسط ہند میں اپنی شاخوں کا اجتماع عام ٹونک میں اور ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو جنوبی ہند میں اپنی شاخوں کو اجتماع عام مدارس میں منعقد کر کے تقسیم ہند کے بعد بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو مولانا مودودی صاحب نے تفصیل سے بتایا کہ تقسیم کے بعد بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو کن حالات سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور یہ بھی وضاحت سے بتایا کہ اپنے اور اپنے دین کے تحفظ و بقا اور استحکام کے لیے انھیں کیا کیا اور کس طرح کرنا چاہیے (ملاحظہ ہو تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم صفحہ ۲۶۱ تا ۲۸۷) اور شمالی ہند (پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان) میں قائم جماعتوں کے ارکان کا اجتماع عام ۹ مئی ۱۹۴۷ء کو دارالاسلام میں پٹھانکوٹ میں منعقد کر کے انھیں بتایا کہ جماعت اسلامی کو پاکستانی علاقوں میں کیا کام کرنا ہے۔ اس بارے میں مولانا مودودی صاحب نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”مسلمانوں سے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی بے دین قومی جمہوریت (سیکولر نیشنل ڈیموکریسی) تمھارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے۔ تم اگر اس کے آگے سر تسلیم خم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیرو گے۔ اس کے قیام و بقا میں حصہ لو گے تو اپنے رسول سے غداری کرو گے اور اس کا جھنڈا اٹھانے کے لیے اٹھو گے تو اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرو گے۔ جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اس کی روح اس ناپاک نظام کی روح، اس کے بنیادی اصول، اس کے بنیادی اصولوں سے اور اس کا ہر جز اس کے ہر جز سے برسر جنگ ہے۔ اسلام اور یہ نظام ایک دوسرے سے کہیں بھی مصالحت نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام برسر اقتدار ہو گا وہاں اسلام نقش بر آب رہے گا اور جہاں اسلام برسر اقتدار ہو گا وہاں اس نظام کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی۔ تم اگر واقعی اسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لادین جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلے میں خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کے لیے جد و جہد کرو۔ خصوصیت کے ساتھ جہاں تم بحیثیت قوم برسر اقتدار ہو وہاں تو تمھارے اپنے ہاتھوں سے اسلام کے اصلی نظام کے بجائے کافرانہ نظام بنے اور چلے تو حیف ہے تمھاری اس جھوٹی مسلمانی پر۔ رہے غیر مسلم حضرات (یاد رہے کہ جماعت اسلامی اپنے اجتماعات عام میں ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کو بھی شرکت کی

دعوت دیتی تھی تاکہ وہ اسلام کی باتیں سنیں اور جماعت کی دعوت کو سمجھیں۔ چنانچہ اس اجتماع میں بھی ہندو مسلم کشیدگی کے باوجود ہندوؤں اور سکھوں کی کافی تعداد موجود تھی) تو ان سے میری خیر خواہانہ گزارش ہے کہ براہ کرم اصول کے معاملے میں ان تعصبات کے قفل اپنے دلوں پر نہ چڑھایئے جو پچھلی تاریخ اور آج کی قومی کشمکش کی وجہ سے آپ کے اور ہمارے درمیان پیدا ہو گئے ہیں۔ اصول کسی قوم کی آبائی جائیداد نہیں ہوتے، نہ ان پر کسی قومیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اگر صحیح اور مفید ہیں تو سب انسانوں کے لیے صحیح اور مفید ہیں اور اگر غلط ہیں تو سب ہی کے لیے غلط ہیں۔ آپ صحیح اصول اختیار کریں گے تو اپنا بھلا کریں گے۔ کسی پر کوئی احسان نہیں کریں گے۔ غلط اصولوں کی پیروی کریں گے تو اپنا نقصان کریں گے کسی کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔''

تقسیم کے بعد پاکستان میں جماعت کے پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی صاحب نے فرمایا کہ ''اب یہ بات تقریباً طے ہے کہ ملک تقسیم ہو جائے۔ ایک حصہ مسلمان اکثریت کے سپرد کیا جائے اور دوسرا حصہ غیر مسلم اکثریت کے زیر اثر ہو گا۔ پہلے حصے میں ہم کوشش کریں گے کہ رائے عامہ کو ہموار کر کے اس دستور و قانون پر ریاست کی بنیاد رکھیں جسے ہم مسلمان خدائی دستور و قانون کہتے ہیں۔ غیر مسلم حضرات وہاں ہماری مخالفت کرنے کے بجائے ہمیں وہاں کام کرنے کے مواقع دیں اور دیکھیں کہ ایک بے دین قومی جمہوریت کے مقابلے میں خدا پرست جمہوری خلافت جو محمد کی لائی ہوئی ہدایت پر قائم ہو گی کہاں تک باشندگان پاکستان کے لیے اور کہاں تک تمام دنیا کے لیے رحمت و برکت ثابت ہوتی ہے۔''

چنانچہ پاکستان آ کر اپنی ساری قوت اور وسائل جماعت اسلامی نے یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق اسلامی جمہوری اور فلاحی ریاست کے قیام کے لیے وقف کر دی۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں اسلامی نظام کے قیام اور اس سلسلے میں قدم اول کے طور پر قرار داد مقاصد کے لیے ملک گیر اور مارچ ۱۹۴۹ء میں قرار داد مقاصد پاس ہو جانے کے بعد اس کے مطابق اسلامی دستور کی تدوین کے لیے پے در پے مہمات برپا کیں جن کے نتیجے میں ۱۹۵۴ء کا دستور اس کے خاتمہ کے بعد ۱۹۵۶ء کا دستور، اس کے مارشل لاء کی نذر ہو جانے کے بعد جنرل ایوب کے آمرانہ دستور کو پارلیمانی جمہوریہ بنوانے کے لیے اس کی منسوخی کے بعد ۱۹۷۳ء کا دستور بنوایا اور آخر کار اب ۱۹۸۵ء کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی صورت میں ملک کا دستور ہے۔ انتخابات میں حصہ بھی اسی جدوجہد کا حصہ رہا اس لیے کہ انتخابی جدوجہد رائے عامہ کو ہموار کرنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ اس کے دوران عوام ہر ایک کی بات کو توجہ سے سننے کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ مولانا

مودودی صاحب جیسا حکیم و مدبر رہنما تو درکنار جماعت اسلامی کا کوئی عام کارکن بھی کبھی اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوا کہ پاکستان کی حکومت اور اقتدار جماعت کی جھولی میں گرنے والے ہیں۔ جماعت اسلامی انتخابات اور انتخابی جدوجہد کو اپنی بات عوام تک پہنچانے اور سمجھانے کا موسم بہار سمجھتی ہے اور اسمبلیوں میں نشستوں کو بھی اسی کام کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اپنے پیش نظر نصب العین کے حصول کے لیے جماعت کا مستقل طریقۂ کار اس کے دستور کی دفعہ ۵ ملاحظہ فرمالیجیے۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۰۰-۱۰۴)

امین احسن کا مولانا مودودی سے جو اختلاف تھا، اس کو دوسری رائے رکھنے والے ارکان جماعت نے کس طرح لیا، اس کا اندازہ اس اقتباس سے بھی ہوتا ہے۔ جماعت اسلامی کے رکن قاضی رحمت اللہ ''تذکرۂ مودودی'' میں ''تاثرات'' کے تحت لکھتے ہیں:

''جس زمانہ میں مولانا امین احسن اصلاحی گروپ کی وجہ سے جماعت کے اندر سخت قسم کا خلفشار برپا تھا اور مولانا کی ہدایت کے خلاف جائزہ کمیٹی کے ارکان نے مرکزی شوریٰ کی رکنیت سے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا تھا، جن کا دعویٰ تھا کہ جماعت کی اکثریت موجودہ پالیسی سے غیر مطمئن ہے، مولانا مودودی نے جماعت کی امارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس وقت تحریک اسلامی کے بہی خواہ سخت اضطراب اور پریشانی کے عالم میں تھے۔ مولانا کے امارت سے مستعفی ہو جانے کے بعد حالات اور سنگین صورت اختیار کر گئے تھے۔ چنانچہ ایک رفیق نے سخت پریشانی کے عالم میں مولانا مغفور سے کہا کہ تاریخ اسلام میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی سربراہ حکومت یا جماعت کے امیر نے محض چند افراد کی غوغا آرائی پر اپنے منصب سے استعفا دے دیا ہو۔ حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ نے شہادت تو قبول کر لی، مگر خلافت سے مستعفی نہ ہوئے! مولانا نے مسکراتے ہوئے برجستہ یہ فقرہ کہا: ''اچھا تو آپ مجھے شہید کروانا چاہتے ہیں؟''

ماچھی گوٹھ کے پانچ روزہ اجتماع میں جماعتی پالیسی پر کھلے عام بحث کے بعد جب ارکان کو دوبارہ اپنی پسند کا امیر منتخب کرنے کا موقع دیا گیا تو مولانا کو ۹۸ فی صد ووٹ ملے۔ صرف ۱۵ افراد نے متفرق حضرات کے حق میں اپنی رائے کا استعمال کیا۔ ارکان نے ایک زبردست اضطراب اور ذہنی کوفت سے نجات حاصل کی۔ سیالکوٹ کے شیخ محمد فاضل صاحب مجھے ساتھ لے کر مولانا محترم کے پاس پہنچے اور بے تکلفی سے کہا کہ مولانا ہم نے آپ کو سو فی صد ووٹ دے کر کامیاب بنایا ہے۔ اب لائیے ہمارا حق تو دیجیے۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''شیخ صاحب آپ لیٹ ہو گئے۔ ہمارے ہاں تو ووٹر کا حق صرف اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک وہ اپنا ووٹ

کاسٹ نہیں کرلیتا ہے۔اس کے بعد تو ووٹر کو کوئی نہیں پوچھتا، خیر آپ اپنا مقصد بتائیں۔''

شیخ صاحب نے کہا مولانا ایک بہت بڑی کوفت سے ہم سب کو نجات ملی ہے، میری درخواست ہے کہ آپ ایک دن کے لیے سیالکوٹ تشریف لائیں، صرف پکنک کا پروگرام ہوگا، کوئی جلسہ وغیرہ نہیں رکھا جائے گا۔ مولانا نے ہاں کردی۔ ہم نے سیالکوٹ پہنچ کر مولانا محترم کو مقررہ تاریخ سے آگاہ کردیا۔ پکنک کے موقع پر ہم ہیڈ مرالہ گئے۔ بہت پر لطف موسم تھا اور مولانا کی ہمراہی میں یہ لطف دوبالا ہوگیا۔''(۴۷۲-۴۷۳)